اُردو شعری مجموعہ

شام ہونے لگی

ڈاکٹر محمد شفیع ایازؔ

اُردو شعری مجموعہ

شام ہونے لگی

ڈاکٹر محمد شفیع ایازؔ

نام کتاب: شام ہونے لگی

شاعر: ڈاکٹر محمد شفیع ایاز

تصنیف: شاعری

سنہ اشاعت: ۲۰۱۴ء

قیمت: Rs 350/-

سرورق: عادل مختار

کمپوزنگ: حنا قوسین

طباعت: المختار پبلی کیشنز اسلام آباد

ملنے کا پتہ:

کتاب گھر: لال چوک سرینگر

ڈاکٹر محمد شفیع ایاز: اقبال آباد کے پی روڈ اسلام آباد کشمیر

المختار پبلی کیشنز، نئی بستی اسلام آباد کشمیر

اِنتساب

اُنکے نام
جنہوں نے
پاس بُلا کے ٹھکرایا
ہنس ہنس کے رُلایا
پھولوں کی سیج دِکھا کر
کانٹوں پہ سُلایا
اور پھر
احساسِ عتاب دِلا کر
کرم فرمایا

ڈاکٹر محمد شفیع ایازؔ

کوئی شام تنہا نہ ہو زندگی میں
میں ہر اِک کو ایسی دعا دے رہا ہوں
کہیں بھول جاؤ نہ رستہ کبھی تم
میں تم کو یہ اپنا پتا دے رہا ہوں

ڈاکٹر محمد شفیع ایازؔ

اپنی بات

''تلاش سحر''، ''شبِ تنہائی'' اور ''تم یاد کروگے'' کی آپ جیسے کرم فرماؤں کی پذیرائی نے اس قدر حوصلہ بخشا کہ آج اردو شاعری کا چوتھا مجموعہ ''شام ہونے لگی'' آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ ابھی تک میرا قلم جاری ہے۔ سچ یہی ہے کہ میں بحرِ ادب کا ایک ادنیٰ اور معمولی سا غوطہ خور ہوں۔

کوئی بھی ادیب یا شاعر اپنے اردگرد کے حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا اور قدرتی طور ان حالات و واقعات کی عکاسی کسی نہ کسی صورت میں اُس کی تصانیف میں نظر آ جاتی ہے۔ ۲۰۱۳ء کے اوائل میں بسلسلہ ملازمت میرا تبادلہ ریاست کے ایک دور پہاڑی سرحدی ضلع پونچھ میں ہوا۔ نئے علاقے میں، نئے لوگ، نئی تہذیب، نیا ماحول، نئی زبان اور نئے حالات دیکھنے کو ملے۔ تین اطراف سے پاکستانی کشمیر سے گِرا ہوا یہ علاقہ کبھی ایک ترقی یافتہ شہر رہا ہے۔ بعد میں ہند پاک تقسیم کے وقت دو

حصوں میں بٹ گیا۔ یہ علاقہ اب سیاسی مصلحتوں کا شکار ہوا ہے اور اُجڑے باغ کی داستاں بیان کرتا ہے۔ابھی پونچھ راجا کا قلعہ،شاہی محل، وکٹوریہ سکول دوسری صورتوں میں موجود ہیں۔ اگرچہ یہ علاقہ بہت سارے شعبوں میں ریاست کے دیگر اضلاع سے پیچھے ہے مگرادبی لحاظ سے یہ علاقہ زرخیز ہے۔اردوزبان سے لوگ از حد محبت کرتے ہیں اوراکثر وبیشتر یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ اردواشعار کا برملا استعمال کرتا ہے۔پونچھ کی سرزمین کوفخر ہے کہ کرشن چندراور چراغ حسن حسرتؔ جیسے نامور مصنف کا تعلق پونچھ سے ہے۔مجھے بھی عصرِ حاضر کے اردوادب سے وابسطہ متعدد اورمعتبر شاعروں اورادیبوں سے ملنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔قیام پونچھ کے دوران میری ملاقات جناب سجاد پونچھیؔ۔ خوش دیو سنگھ مینیؔ، حسام الدین بیتابؔ۔کنیالال کپور۔ڈاکٹر نجم بٹ۔ پردیپ کھنہ اور کئی دیگرادباء وشعراء سے ہوئی۔جیسا کہ میں نے پہلے ہی عرض کیا کہ یہاں کے لوگوں کی رگوں میں اردوخون کے ساتھ دوڑ رہا ہے اوراس بات کا احساس مجھے اُس وقت ہوا جب میری ملاقات ضلع ایڈمنسٹریشن سے وابستہ کچھ مقامی افسران سے ہوئی۔ڈپٹی ڈائریکٹر ایمپلائمنٹ جناب محمد اشرف چودھری۔

جنرل منیجر صنعتی مرکز ڈاکٹر ذاکر حسین، چیف میڈیکل آفیسر جناب ممتاز بھٹی، جناب بشیر احمد لون کسٹوڈین ایل اوسی تجارت، سٹیشن ڈائریکٹر آکاش وانی پونچھ جناب طارق احمد سے مل کر اس بات کو تقویت ملی اور تصدیق ہوئی۔ ان اصحاب کے ساتھ بعد میں میرے دوستانہ تعلقات قائم بھی ہوئے۔ ضلع کے اسسٹنٹ کمشنر جناب شفیق احمد سے میری پہلے ہی جان پہچان تھی اور وہ بھی ادب نواز ہیں۔ اِن ساتھیوں کے ساتھ رہ کر میرے قلم کو اور زیادہ طاقت ملی جس کا ثمر ''شام ہونے لگی'' کی صورت میں حاضر ہے

یہاں میں ضلع پونچھ کے ترقیاتی کمشنر جناب سجاد احمد خان: آئی اے ایس کے بارے میں جو کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں اُس کے لئے میرے پاس الفاظ ہی نہیں۔ دورانِ قیام پونچھ ان کے ساتھ میرے قریبی تعلقات رہے، جہاں کوئی بھی ادبی، سماجی، مذہبی یا ثقافتی تقریب ہوا کرتی تھی وہ مجھے اپنے ہمراہ ضرور لے جاتے تھے۔ شریف النفس، ایماندار، غریب پرور، مخلص، انسانیت دوست، ادب نواز۔ ہر ایک کے خیر خواہ اور سب سے بڑھ کر ایک عظیم انسان۔ ایسی باصفت شخصیت کے ساتھ رہ کر میں نے

بہت کچھ سیکھا اور مشاہدہ کیا۔ ''شام ہونے لگی'' میں اُن اثرات کا عکس ضرور موجود ہوگا۔ مختصراً ''شام ہونے لگی'' قیام پونچھ کی دین سمجھئے۔

معزز قارئین! جب تک زندگی رواں ہے، میرا قلم بھی رواں دواں رہے گا۔ مجھے اُمید ہے میری یہ کوشش آپ کو ضرور پسند آئے گی بس آپ کی دعاؤں کا طالب ہوں۔

پیش خدمت ہے ''شام ہونے لگی''.......

۱۷/مارچ ۲۰۱۴ء

ڈاکٹر محمد شفیع ایازؔ
اقبال آباد کے پی روڈ
اسلام آباد (اننت ناگ) کشمیر



تو ہی رب کائنات کا
مالک ارض وسماوات کا
کرم تیرا ہے چار سُو
حمد ہے تیری ذات کا
مانگوں بھلا میں تُجھ سے کیا
علم تجھے ہر بات کا
کچھ بھی نا ممکن ہی نہیں
قادر ہے تو معجزات کا
ہر شئے میں پنہاں راز ترا
معنیٰ مقطعات کا
حاصل نہ ہو جب تیرا کرم
مقصد نہیں عبادات کا
آیاز سر بہ سجود ہے
منظر تیری برکات کا



میلاد ہے محبوبؐ کا مل کے مناؤ آج
جشنِ مسرت خوب ہے جوش میں آؤ آج
والی ہے وہ یتیموں کا، سب کی وہؐ اُمید
آؤ مہکتے لمحوں کو پھر سے سجاؤ آج
عالم کا وہ شاہؐ رہا خود کتنا بھوکا
یاد کر لو سب غربا کو کچھ تو کھلاؤ آج
اُن کی آمد سے روشن ہوا ہے ارض و سما
ظلمت و وحشت کو پھر سے آؤ مٹاؤ آج
آج کے دن کی کیا عظمت، شان بھی دیکھو کیا
نورِ نبیؐ کا ہر پیغام گھر گھر پہنچاؤ آج
جان فدا کیوں ہو نہ مری محبوبِ رب پہ آج
رحمت برسے چاروں اور، کھُل کے کماؤ آج
شاد نہ کیوں ہو آج ایازؔ، کائنات نور ہی نور
ساری دنیا کے سنگ سنگ خوشیاں مناؤ آج



بہت کمزور ہوں بیمار ہوں میں
میرے اللہ بہت لاچار ہوں میں
بیان ہوتا نہیں ہے حال اپنا
بھری دنیا میں اِک نادار ہوں میں
نا کوئی آسرا ہے نا سہارا
زبونِ حال ہوں بر دار ہوں میں
نظر اپنے ہی بس اعمال پر ہے
سیاہ رو ہوں بہت بدکار ہوں میں
ہوئی سرزد خطائیں مجھ سے کتنی
بتاؤں کیا شرم سے عار ہوں میں

میں چشمِ نم پھیلائے ہاتھ ہوں رَب
زمینِ تنگ پہ اِک بار ہوں میں
رحمی اور کریمی کا واسطہ ہے
یقین محکم ہے، اُمیدوار ہوں میں
دُعا ایازؔ کی یہ پوری کردے
نبیؐ کا تشنۂ دیدار ہوں میں





زندگی بن گئی ہے عذاب یا رُب
لمحے لمحے پہ کیوں حساب یا رُب
میرے اعمال ناقص ہیں اے مولا
ادا کس منہ سے ہو جواب یا رُب
ہے چاروں اور غم کا اِک اندھیرا
خوشی اب بن گئی سراب یا رُب
پھرے ہوں دربدر اِک بے سہارا
ڈھونڈے دل ہے ثواب یا رُب
تیرے دربار میں پھیلا کے دامن
میں مانگوں زندگی کامیاب یا رُب
شعوری ہے کہ ہے یہ لاشعوری
ایاز ماہی مگر بے آب یا رُب



ہر کوئی ہے ظلم کا طرفدار اب
غیرتیں نیلام در بازار اب
امن وایمان واسطے سچائی کے
بند ہے تحریر، بند گفتار اب
ناچ نغمہ حرص لالچ ہر جگہ
خود سے غافل زر کے پرستار اب
بے کسوں اور بے بسوں کا چوس خون
بن کے حاکم وقت کو بھی مار اب
ہر طرف بس لوٹ ہے اور جھوٹ ہے
ہے یہی اِس دور کی رفتار اب
پُر زیاں تحریر تیری ہے ایاز
العتش کرتا ہوا کردار اب



کون کس کے لئے اب ہے مرتا یہاں
ہر کوئی بے سبب سب ہے کرتا یہاں
آج میرے ہی خون کا اِک پیاسا ہے وہ
کل جو جان دینے کا دم تھا بھرتا یہاں
کل تلک خود جو آباد شہروں میں تھا
آج ہر اِک مکیں اُس سے ڈرتا یہاں
وہ جو ہر پل میری سانس بن کے رہا
کیسے لمحوں سے ہے اب گزرتا یہاں
اُس کو معلوم ہے اب نہ آؤنگا میں
جانے ایازؔ کیوں ہے سنورتا یہاں



مشکوک اپنی وفاداری
حق مانگو تو غداری
محکوموں مظلوموں پر
مکاروں کی سرداری
زرداروں کو خدشہ کیا
ہر سو اُن کی طرفداری
سچائی بھی جُرم بنی
حکم ہے آیا سرکاری
عصمت کے سب سوداگر
درویشی بھی مکاری
دعویٰ کوہ سے بھی اونچے
سب کا منشا زرداری

حرفِ غلط پر ہے اقرار
کوئی کہاں ہے انکاری
جس نے کھولی اپنی زبان
وہی ہے ملزم اشتہاری
کیسا عالم آدم کا
انسانیت اور سیاہ کاری
کوئی راہ محفوظ نہیں
پھن پھیلا کر شاہکاری
چپ ہی سادھ لو اب آیاز
اس میں بڑی ہے سمجھداری





ناحق گئی سربجیت کی جان
کٹ گیا ادھر بچارہ خان
تلواریں تمہاری تیز سہی
کاٹنا گردن کیسی شان
کل کے بھائی دشمن آج
بھسم ہوا سُندر آشیان
کتنی بستیاں اُجڑینگی
مٹنے لگا ہے نام ونشان
ہم ہیں مست خرابے میں
عبور کرے ہیں وہ آسمان

فرصت نہیں ہے جھگڑوں سے
بچیں کیا ہند و پاک کے 'تان'
بانٹو اب بس اُلفت کو
چھوڑو اب یہ تیر و کمان
پھول کھلیں گے چاروں اور
ہر دل ہوگا بس شاد مان
ایازؔ کا خواب رنگ لائیگا
مہکے گھر ، گُل ، گلستان



سربجیت سنگھ: ہندوستانی قیدی جو لاہور جیل میں ۲ر مئی ۲۰۱۳ء کو مارا گیا
ثناءاللہ حق خان: پاکستانی قیدی جو جموں جیل میں ۹ر مئی ۲۰۱۳ء کو مارا گیا

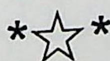


یہ رنج و غم کا سرمایہ، نہ میرا تھا تو کس کا تھا؟
تیرے دم پہ جو زندہ ہوں، سہارا تھا تو کس کا تھا؟
تلاشِ زیست میں نکلا، کہاں جانا نہیں معلوم
وطن سے بے وطن ہونا، اشارا تھا تو کس کا تھا؟
ظلم سہنے کی عادت ہے، رقم ہے یہ مقدر میں
قلم جاری عبارت پر، نہ تیرا تھا تو کس کا تھا؟
مسرت کی نہیں چاہت کہیں عقدہ نہ کُھل جائے
کہ میری نس نس میں، بسیرا تھا تو کس کا تھا؟
بیان ہوتی نہیں حالت، ایازؔ سے اب کے اے ہمدم
جو چھوٹا ہاتھ سے اپنے، کنارا تھا تو کس کا تھا؟



اب یہ ہمارا جہاں نہیں ہے
چھُپائیں سر ، آسماں نہیں ہے
اندھیرے میں جو اُجالا کر دے
کہیں وہ ماہِ تابان نہیں ہے
وہ سارے اِک اِک کے چھوڑ بیٹھے
کوئی ہمسفر ، کارواں نہیں ہے
جو پیش دفتر میں کر سکوں گا
میرے پاس ایسا ساماں نہیں ہے
کہاں ہے جُرأت کہ سچ ہی بولیں

منہ میں جو جنبشِ زباں نہیں ہے
کہاں وہ اپنوں کی دعوتیں ہیں
محبت کا ہی دسترخواں نہیں ہے
یہ ہاتھ اُٹھیں کیا دعا کی خاطر
کہ زندہ رہنے کا ارماں نہیں ہے
بہت کچھ دیکھا ہے ایازؔ اب کے
وفا کی راہ اتنی آسان نہیں ہے





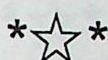
کوئی تو سُنادے اک ایسا ترانا
لبوں کو چھو لے جس سے مُسکرانا
کھُلیں جو آنکھیں کہ ایسا سماں ہو
طائر کا ہو سحر میں چہچہاتا
وہ پیارے سے لمحے وہ پیاری سی یادیں
کہاں لَوٹ آئے وہ گذرا زمانا
وہ اپنی کہانی وہ اپنا فسانہ
وہ چپکے سے ایکدوسرے کو سُنانا
وہ یاروں کی محفل وہ لڑنا جھگڑنا
وہ ہر بات پر پھر ادا سے منانا

غموں سے نہ ڈرنا دکھوں کی نہ پرواہ
وہ مِلنا ملانا وہ ہنسنا ہنسانا
کہاں کھوگئے دن وہ یارو بتا دو
کہاں وہ ہنسی اب ہے رونا رُلانا
اگر زندگی کا یہی نام ہے تو
ہے افسوس ایازؔ دنیا میں آنا





میری سلطنت میرا غم ہے
یہ اثاثہ کیا کچھ کم ہے
تو ستم پہ پھر ستم ڈھال
ابھی زندگی میں دم ہے
یہ فنا کی منزلیں ہیں
کہ بقا بھی اس میں زعم ہے
بے رُخی ہے اُس کا شیوہ
کہ ابھی تو زُلفِ خم ہے
ہے حبیب دُکھ یہ میرا
یہ بھی اُس کا اِک کرم ہے
یہ عروج دیکھ کر میرا
تیری آنکھ کیوں پرنم ہے
ہو نہ کیوں پسند ادائیں
وہ ایاز کا صنم ہے



شام ہوتے سب تو اپنے گھر گئے
ہیں جو بے گھر وہ کہاں آخر گئے

ہیں جنہیں خوف خدا اور فکرِ حق
موت سے پہلے ہی وہ سب مَر گئے

سمجھا جس نے مقصدِ تخلیق کو
لوگ سچ میں بس وہی سدھر گئے

خوش نصیب حاصل ہوا عین الیقین
روزِ محشر سے وہی لوگ ڈر گئے

رازِ پنہاں جن پہ عیاں ہوگیا
صاحبِ دل جانے وہ کدھر گئے

آنکھ سے اوجھل جو تھے سارے یہاں
حوضِ کوثر سے وہی جام بھر گئے

مالِ آخرت کچھ نہیں حاصل ایازؔ
مرحلہ لیکن وہ کچھ سَر کر گئے



دھواں ہی دھواں ہر طرف دوستو
عجب ہے سماں ہر طرف دوستو
یہ لوٹ مار اور یہ بڑا شور وغل
لہو ہے رواں ہر طرف دوستو
جو قدرت کا بھی اب ہے باغی ہوا
وہ انسان ہر طرف دوستو
وہ دنیا نہ جانے کہاں کھو گئی
تھا امن و امان ہر طرف دوستو
جو ایمان کا ہے بنا سوداگر
وہی یہ مسلمان ہر طرف دوستو
یہ کیسا ہے عالم یہ کیسے ہیں لوگ
ہے آیاز حیران ہر طرف دوستو



ہر جرم یہاں پر جائز ہے اب کچھ بھی یہاں مذموم نہیں
باتوں کے ہیں معنی منشاء پر چاہ ہے وہ کوئی مفہوم نہیں

تم ہاتھ اُٹھائے بیٹھے ہو، ہیں لب پہ دعائیں بکھری سی
اس بستی میں اب کوئی سنو مطلوب نہیں معصوم نہیں

اُن دل سے نکلی آہوں کا کب کوئی اثر اب ہوتا ہے
ہر کوئی بنا اب ظالم ہے اب کوئی یہاں مظلوم نہیں

اب سادھو کچھ اور کچھ درویش عصمت کے بنے دلال ہیں سب
ہے حیف کہ اب یہ لوگ بھی یوں بدنامی سے موسوم نہیں

کب ہوگی سحر کب چھوٹ جائے یہ جال وسیع تاریکی کا
ایازؔ نے امید باندھی ہے، امید سے وہ محروم نہیں



یار نہیں دلدار نہیں
اب ہم کو کسی سے پیار نہیں
جس ارض و سما میں رہتے تھے
لگتا ہے یہ وہ سنسار نہیں
یہ دنیا کھیل تماشہ ہے
افسوس کہ میں فنکار نہیں
ہے عجب زُلیخا کا بازار
یوسف کا کوئی خریدار نہیں
ہے دل میں رہتا جس کا غم
وہ بھی تو میرا غمخوار نہیں
سب بدلے ہیں ، ایاز نہیں
ہے اُس کا یہ کردار نہیں



ڈھونڈتے کیا ہو مجھے گلستانوں میں
مسافر ہوں بھٹکتا ہوں بیابانوں میں
فکرِ آخر ہے جنکو مٹھی میں انکے عالم ہے
کہاں رہتے ہیں ایسے لوگ آشیانوں میں
نہیں معلوم تم کو ہے تیری اصلیت کیا ہے
زمین پر پاؤں نہیں جمتے رہتے ہو آسمانوں میں
بڑی شان سے محفل سجی تھی جس کے لئے
سبھی آئے، وہ نہ آیا، مہمانوں میں
بڑے شوق سے اُس نے ہمیں بدنام کیا
کوئی تو آج بھی ہے ایاز، قدر دانوں میں



ایسا بھی زندگی میں ہے ہوتا کبھی کبھی
مسکان چہرے پہ مگر دل روتا کبھی کبھی

آتا ہے وقت ایسا بھی جیون میں بار بار
انسان پا کے پھر سے ہے کھوتا کبھی کبھی

ہاتھوں سے اپنے، اپنے ہی گُلشن میں جانے کیوں
انجانے میں وہ خار ہے بوتا کبھی کبھی

پانی کا بُلبُلہ ہے یہی زندگی ہے دوست
یہ جان کر بھی ہر کوئی سوتا کبھی کبھی

سرزد ایازؔ سے ہوئی ہے کب خطا، بتا
ہے وہ لہو میں انگلیاں ڈبوتا کبھی کبھی



کیسی خوشی اور کیسی چاہت ایسا تو یہ منظر نہیں
حکم کی یہ تعمیل ہے مانو کوئی شوقِ سفر نہیں
یارو شکستہ دل ہوں میں بھی، میری کیا اوقات بھلا
مرکز بنتا میں بھی نگاہ کا مجھ میں لیکن ہنر نہیں
جھلس رہا ہوں شعلوں میں اور سارے میرے تماشائی
تم ہی بتاؤ کیسے مانیں دل کی انہیں کچھ خبر نہیں
اُن پہ میرا حال عیاں ہے، اُن سے بھلا میں کب تھا نہاں
پھر یہ کیسے مجھ کو یقیں ہو مجھ پہ اُسکی نظر نہیں
نظروں میں یہ سارا فلک ہے اور اُڑنے کی چاہ در دل
کیسی خواہش کیسا سپنا، میرے بال و پر نہیں
دنیا بدلی، لوگ بھی بدلے، بدل گئے سب رستے ہیں
کھڑا جہاں ایازؔ ہے ساکن وہاں سے اسکا گزر نہیں



جو کچھ دیکھا خود ہی دیکھا کوئی یارو گواہ نہیں
سازش سازش فِضا میں بکھری کوئی سیدھی راہ نہیں
کردار و سیرت کی باتیں اب تو پرانی لگتی ہیں
ایسی باتوں پر اب یارو ہوتا کوئی بناہ نہیں
وہی زمیں ہے وہی فلک ہے بدلا بدلا بس انسان
گلشن بھی اب بے رنگ سا ہے، اب کے خوشبو ہوا نہیں
اپنا کون پرایا کون ، کس کو کیسے پہچانیں
کس کو اب ہم کیسے بتائیں، کوئی رب کے سوا نہیں

حال کوئی اب کس کا جانے، چہرے سب کے نہاں نہاں
کس پہ بیتی، کیا کیا بیتے، کسی کو یہاں پرواہ نہیں
وہی ہے دنیا وہی ہے عالم، ذرہ ذرہ سب موجود
اپنی آنکھ سے ہی سب اوجھل، قابل ہماری نگاہ نہیں
تم نے چھوڑی ہے یہ امامت، دنیا کا طالب ہے بنا
اس پہ طرہ ایک عجب سا، سمجھے یہ سب گناہ نہیں
دل میں چھپائے طوفاں طوفاں پھرتا ہے ایاز یہاں
جس کو سنائے حال وہ دل کا کہیں وہ ہمنواہ نہیں





چہرے بدلتے دیکھے ہیں بار بار ہم نے
عالم کے رنگ دیکھے ہیں بے شُمار ہم نے
اب کس پہ ہو بھروسہ، اب کس سے ہے توقع
ہر پل بدلتے دیکھے ہیں اطوار ہم نے
اِک کھیل ہے سیاست، جائز ہے سب جو اس میں
چہروں پہ یوں بھی دیکھے چہرے بسیار ہم نے
دل کو نہ یہ لُبھائیں، پھر بھی تو پڑھ ہی لینا
لکھے ہیں تیری خاطر دل سے اشعار ہم نے
نفرت نے جس کی ہم کو زندہ دفن کیا ہے
اُس سے کبھی کیا تھا دل سے ہے پیار ہم نے
ایاؔز چھوڑ محفل کیا کام یاں ہے تیرا
پایا ہے تجھ کو جانے کیوں راز دار ہم نے



زمانا یہ روٹھے کوئی غم نہیں
کرم اسکا مجھ پہ ہوا کم نہیں
ہمیں ہیں کہ طوفان سے کھیلے ہوئے
ستائے، کسی میں کوئی دم نہیں
ہے نِسبت اُسی سے میری جان لے
بغیر جسکے دنیا میں دم خم نہیں ہ
ہواؤں میں اُڑنے سے پہلے یہ سوچ
فِضاؤں میں کوئی بھی ہمدم نہیں
ایازؔ تیری جھولی میں دولت یہی
کہ کسی در پہ تیرا یہ سر خم نہیں



اُجالوں میں جسے پایا ہے
شب تنہائی میں اُسے کھویا ہے

تلاشِ اُس کی سحر سے ہے
وہی دل کو جو کو بھایا ہے

شبِ غم اُس کی یادوں میں
بھلا کیونکر گزارا ہے

بہت ہے دور لیکن دیکھ
قرب میں اُس کا سایا ہے

یقیں کب مجھ پہ آتا تھا
یہ نکتہ آزمایا ہے

یہ جیون امتحان سا ہے
ستم کس نے یہ ڈھایا ہے

بتاؤ چاہتے کیا ہو
ایازؔ پھر پاس آیا ہے



عملِ آدم سے ہی آدم اب پریشان ہوگیا
خوبصورت سا جہاں کیسے یہ ویران ہوگیا
حرص و لالچ نے بگاڑا اشرف المخلوق کو
بد سے بد تر ہوگیا مانو کہ شیطان ہوگیا
جس کسی نے بھی اُٹھائی حق کی اِک آواز اب
برسر بازار چپکے سے وہ قربان ہوگیا
یہ ہوا کیسی چلی ہے اب کے اس انسان نے
جادو ، مکاری جو سیکھی خود ہی بھگوان ہوگیا
جانداروں کے جہاں میں ایک بے جان سا ایازؔ
لب پہ حرف مدعا لیکن بے زبان ہوگیا



زندگی اِک عجب فسانہ ہے
غم خوشی کا یہ اِک ترانہ ہے
کُچھ سُنا ہے کچھ سُنایا ہے
ایک قصّہ بہت پرانا ہے
اک کِنارا جو چھوٹ جائے بھی
اُس طرف اِک نیا کنارا ہے
جھوٹ اور سچ کے کھیل ہیں سارے
جانتا سب یہاں زمانہ ہے
اب کے بیٹھا ایاؔز ویرانے میں
اِک سکوں کا یہی ٹھکانہ ہے



ٹھکرا دیا جو تم نے لاچار سمجھ کر
جسکی دوا نہیں وہی بیمار سمجھ کر
کوئی مدد ، نہ کوئی مُروت کسی نے کی
کھینچے ہیں ہاتھ سب نے بیکار سمجھ کر
کاندھے پر گرکسی نے بھی رکھا جو ہاتھ ہے
آگے مجھے ہی کر دیا ہتھیار سمجھ کر
ہم نے بھی اسکے واسطے لائے تھے پھول جو
پاؤں تلے مسل دئے اک خار سمجھ کر
آنکھوں میں تھا بٹھایا کبھی ایاؔز نے جسے
اُسنے بھی آنکھیں پھیر لیں اغیار سمجھ کر



انسانوں کی بستی میں کوئی اب انسان نہیں
پار اُتر کر کشتی جلائے ایسا کاروان نہیں
سات سمندر پار کرنے نکلے ہیں جو سوداگر
دریا پار کرنے کا بھی اُن کے ہاں سامان نہیں
کوئی رہبر، کوئی مسیحا، کوئی محسن بن بیٹھا
خودغرضی کے سب بندے ہیں خدمت کا ارمان نہیں
میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں یہ موت کے یہ سوداگر
شہر عجب ہے لوگ عجب ہیں، چہروں کی پہچان نہیں
دنیا میں سلطان بہت ہیں محمود جیسا کوئی نہیں
جانے جو ایاز کو ایسا کوئی قدر دان نہیں



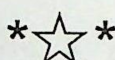
ٹھکرا دیا جو تم نے لاچار سمجھ کر
جسکی دوا نہیں وہی بیمار سمجھ کر
کوئی مدد ، نہ کوئی مُروت کسی نے کی
کھینچے ہیں ہاتھ سب نے بیکار سمجھ کر
کاندھے پر گر کسی نے بھی رکھا جو ہاتھ ہے
آگے مجھے ہی کر دیا ہتھیار سمجھ کر
ہم نے بھی اسکے واسطے لائے تھے پھول جو
پاؤں تلے مسل دیئے اک خار سمجھ کر
آنکھوں میں تھا بٹھایا کبھی ایازؔ نے جسے
اُسنے بھی آنکھیں پھیر لیں اغیار سمجھ کر



انسانوں کی بستی میں کوئی اب انسان نہیں
پار اُتر کر کشتی جلائے ایسا کاروان نہیں
سات سمندر پار کرنے نکلے ہیں جو سودا گر
دریا پار کرنے کا بھی اُن کے ہاں سامان نہیں
کوئی رہبر، کوئی مسیحا، کوئی محسن بن بیٹھا
خودغرضی کے سب بندے ہیں خدمت کا ارمان نہیں
میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں یہ موت کے یہ سودا گر
شہر عجب ہے لوگ عجب ہیں، چہروں کی پہچان نہیں
دنیا میں سلطان بہت ہیں محمود جیسا کوئی نہیں
جانے جو ایاز کو ایسا کوئی قدر دان نہیں



رنگ بدلتی دنیا میں تیرا اب کیا کام یہاں
بہروپے ہی بہروپے ہیں انسان کا بس نام یہاں
قدم قدم پہ کانٹے ہیں اب سچائی کے رستے میں
ہراک بغل میں ایک چھرا ہے منہ پہ اب بھی رام یہاں
یارب، اب اس عالم میں تو شرم سے گردن جھکتی ہے
ریشیوں، منیوں کی بستی میں رنگِ سیاری عام یہاں
اپنی حالت خود ہی دیکھو، خود ہی سدھر جانا ہے اب
لیکر کوئی نا آئے گا ایمان کا پیغامَ یہاں
کب تک دے گا اپنی صدائیں، صحرا صحرا سب آیازؔ
جیون کے اس لمبے سفر میں ہوئی ہے اب کے شام یہاں



لوٹ کر جانے والے تو آتے نہیں
اور بتا کر بھی ہم سے تو جاتے نہیں
قسمیں، وعدے یہ سب ایک دو حرف ہیں
یار بھی اب کے وعدے نبھاتے نہیں
دوسروں کو دیکھ کر تاڑ لیتے ہو کیا
خود کو بھی لوگ اب پہنچانتے نہیں
کس پر نظرِ کرم کس سے اُمید ہے
وقت آنے پر وہ کام آتے نہیں
جان دے کر جو تکمیلِ وفا کر سکیں
راز سب کو مگر یہ بتاتے نہیں

پا گئے اپنی منزل جو چپکے سے وہ
مست مجذوب ہیں کچھ سناتے نہیں
فکرِ محشر ہے جن کو وہی بس یہاں
فانی دنیا میں اک گھر بساتے نہیں
ساتھ جن کے گزاری ہے عمر دراز!
وہ بھی ایاؔز کو جانتے نہیں





آتے ہیں دن یاد وہ اکثر
رہتے تھے جب شاد وہ اکثر
دورِ فلک سے نہیں نبھائی
تبھی ہوئے برباد وہ اکثر
جیون کا جو راز ہیں سمجھے
دو عالم آباد وہ اکثر
ثابت قدم جو رہی ہیں ہر دم
قوم ہوئی آزاد وہ اکثر
جن سے جنت چھوٹ گئی ہے
دیکھے یوں شداد وہ اکثر
جن کو شعر کی فہم نہیں ہے
دیتے ہیں بس داد وہ اکثر
بیتے دن کب لوٹ کے آئیں
ایازؔ کرے فریاد وہ اکثر

☆ بات سچی بس اک بتانی ہے
کوئی اول نہ کوئی ثانی ہے
دنیا روٹھے تو غم منائیں کیوں
یہ تو فانی ہے ، آنی جانی ہے
چند دنوں کا یہ ایک ڈیرا ہے
کیا سجائیں اسے نادانی ہے
جو بھی آیا اُسے تو جانا ہے
آنا جانا نقلِ مکانی ہے
رہنے والا نہیں کچھ بھی
چند دنوں کی یہ اِک کہانی ہے
زندگی بھر یہی ہے غم تنہا
روزِ محشر کی بس پریشانی ہے
سن لے خلوت نشیں ایاز
بے زبانی بھی لن ترانی ہے ☆



اُن کے دن شادماں گذرتے ہیں
ہم تو بس آہ ہی آہ بھرتے ہیں

اب ہواؤں کا ڈر نہیں ہم کو
ہم سمندر میں کب اُترتے ہیں

ہیں مٹا کر لکیر ہاتھوں کی
اب کہاں خواب کچھ سنورتے ہیں

ہم سکونِ قلب کی راہوں میں
اِک مسافر ہیں کب ٹھہرتے ہیں

خوش رہو، تمہیں جینے کی تمنا ہے ابھی
جی بھر گیا ہے، ہم تو مرنے کی دعا کرتے ہیں

شام ہوتے ایازؔ سب سمجھتے ہیں
لوگ یاں جیتے جی ہی مرتے ہیں



حُسن و خُلق سے قائم عظمتِ انساں جن سے
صابر بنے وہی اور امن و اماں جن سے
نہ دھتکارو اُنہیں کہ قائم جہاں جن سے
نسبت ہے قائم جن سے لفظ و ایماں جن سے
عمر بیتی ہے لاحاصل، خیال آخر میں آیا اب
نظر ان کے کرم پر ہے، ہے لوح و مکاں جن سے
یہ رشتے سب تو جھوٹے ہیں چہروں پہ مکوٹے ہیں
یا رب الگ ہیں وہ، ہے سبھی شاں جن سے
نہیں بس میں اب زمانہ مگر دیر کب ہے آیازؔ
دامن پکڑ لے اُن کا ہے ارض وسماں جن سے



اجڑے ہوئے چمن کا اِک باغبان ہوں میں
پھر بھی تیرے نشاط کا ساز و سامان ہوں میں
سینے میں تیر کتنے پیوست ہو گئے ہیں
ہر اِک کے واسطے بس آساں نشان ہوں میں
اب نا زباں کُھلے گی، اب نا قلم چلے گا
مجھ میں نہاں ہے سب کچھ اِک راز دان ہوں میں
بزدل نہ مجھ کو سمجھو کمزور بھی نہیں ہوں
شیوہ ہے صبر میرا اِک انسان ہوں میں
ایازؔ منتظر ہے ، کب ہوگا وہ اشارہ
محفل میں تیری اک گھڑی کا مہمان ہوں میں

☆ لفظ لفظ ہے جُدا حروف یکسان لیکن
مسافر ہیں الگ الگ اک کاروان لیکن
کتنے لوگ، کتنی باتیں اور کتنے خیال
بولیاں ہیں مختلف ایک ہے زبان لیکن
فطرتیں، عادتیں اور کتنی ہی خصلتیں
چہرے سبھی کے مختلف سبھی انسان لیکن
سماں بھی کیا عجیب اور لوگ بھی عجیب
ظاہر میں ہر طرف سکون اندر طوفان لیکن
ہر چہرے کے پیچھے کتنے راز ہیں پنہاں
کوئی کچھ کہتا نہیں ہر اک کا دل نالان لیکن
وہ لوگ جن کی باتوں میں خوب اثر تھا
تیری بات بھی صحیح نہیں تا شیر بیان لیکن
ایاز جسے سمجھتا ہے اس قوم کا معمار
کہیں نظر آتا نہیں وہ نوجوان لیکن ☆



رازِ دل کو راز رہنے دیجئے
خود ہی خود کو یوں نہ رسوا کیجئے
مشکلوں میں یوں نہ گھبرانا کبھی
تھام بس رب کا ہی دامن لیجئے
جو مقدر میں لکھا مِل جائے گا
جان کر بھی زہر یوں مت پیجئے
ہیں خزانے عرش پر میں خالی ہاتھ
مانگتا ایازؔ ہے کچھ تو دیجئے



مجھے تو بس انتظار ہے اسکا
دل بھی کچھ بیقرار ہے اسکا
خواب میں خواب یوں نہیں سجتے
سپنے میں آنا دشوار ہے اسکا
اُس کے احسانوں کا حساب نہیں
لمحہ لمحہ قرضدار ہے اسکا
وہ ہے انمول وہ تو یکتا ہے
زر بھی سارا بازار ہے اسکا
اِک اثاثہ رکھے ہے بس آیاز
رب ہی غمخوار ہے اسکا



بوجھ بن کے رہ گئی ہے زندگی
یہ اسیری ہے نہ ہے یہ بندگی
سچ میرا جھٹلانے میں بیباک ہیں
کم گوئی ہی بن گئی ناخواندگی
اپنی رسوائی چھپاؤں کس طرح
ایک ماضی میں عیاں شرمندگی
حرص ولالچ اور نافرماں بنا
میں نے جنت میں پھیلائی گندگی
ڈر رہا حیوان اب انسان سے
اس قدر جو بڑھ گئی درندگی
سامنا آئینہ کا کرکے ایاؔز
اڑ گئی چہرے کی ساری خندگی



اپنوں سے ہی دور ہیں ہم
حالت سے مجبور ہیں ہم
دکھتا جو ہے ویسا نہیں
آزادی ، محصور ہیں ہم
ناحق سزائیں جھیل چکے
دار پہ گو منصور ہیں ہم
ناگفتہ ہیں سب حالات
زخم لئے ناسور ہیں ہم
بے بس ذرہ ذرہ کا
عالم یہ مغرور ہیں ہم

بھول بھلیوں میں کھوئے
اپنے شہر سے دور ہیں ہم
ایسا جینا کیا جینا
زندہ اہل قبور ہیں ہم
چھِدا ہوا ہے ایاز دیکھو
آہ وفغان کے سرور ہیں ہم





سچ کو میں جھوٹ کب بتاتا ہوں
آئینہ ہوں عکس دکھاتا ہوں
بد نصیبی میری شرافت ہے
خود ہی خود کو سزا دلاتا ہوں
انکو نفرت ہے شکل وصورت سے
گھر، وطن چھوڑ کر میں جاتا ہوں
جان کے پیچھے پڑے ہیں وہ کب سے
جان کیسے ، کہاں بچاتا ہوں
تیغ اُن کی ایاؔز گردن پر
آؤ تم کو میں اب سجاتا ہوں



جاتے جاتے اک تمنا دے گیا
عمر بھر جینے کی سزا دے گیا
نہ زمین پر ہوں نہ ہوں میں فلک پر
ہاتھ میں کیسا ستارا دے گیا
پہلے کب تھی ایسی حالت غیر سی
آنکھ میں آنسو کا دریا دے گیا
حادثے ہوتے ہیں کتنے روز و شب
موت کو یوں وہ اک ادا دے گیا

ساتھ اپنے دو قدم یوں چل دیا
درد مجھ کو تنہا تنہا دے گیا
اب دعا ہوتی نہیں کوئی قبول
زیرِ لب کوئی دعا دے گیا
جاتے جاتے اِک نظر وہ کر گیا
کیا خبر ایاؔز کیا کیا دے گیا





اس شہر میں کس کس کا کیسے نام ہوگیا
اک تو ہی نہیں ہے کہ جو بدنام ہوگیا
انسانوں نے بھی رنگ اب کیا کیا ہیں دکھائے
اِک وقت پہ بھگوان بھی نیلام ہوگیا
کب تھی زبان غیر، کہ سادہ سے حرف تھے
پھر بھی وہ سمجھنے میں یوں ناکام ہوگیا
ہنسنا تو یارو کب کا ہم اب بھول چکے ہیں
تقدیر میں لکھا ہے سکھ حرام ہوگیا
کل تک تو ہر زبان پہ بس نام تھا اُس کا
بے زر ہوا کہ دیکھ وہ گمنام ہوگیا
ایاؔز ٹوٹ ٹوٹ کے بکھرا ہے اب کے بس
گویا کہ اُن کا قصّہ بھی تمام ہوگیا



خوب میری تنہائی اب
ناچ ، بجے شہنائی اب
دیکھ لی اب کے یہ دنیا
بہت سُنی سنائی اب
دوست کوئی نا عدو کوئی
آئی راس جُدائی اب
لب پہ کیسے میٹھے بول
دشمن اپنا بھائی اب
تو اسکا جو تیرا نہیں
کیسی حق کی ادائی اب

دیکھ کے بھی اَن دیکھی ہے
بے نور لگے بینائی اب
ہر اک رکھتا خدا ہزار
کس کی کہاں رسائی اب
ہونا ہے جو ہونے دو
یہ بات اچھی آئی اب
ایازؔ کے اب لب خاموش
قسم جو اُس نے کھائی اب





مسکان میری ، میرا یہ اظہار نہیں ہے
صورت مری ہے یہ میرا کردار نہیں ہے
دنیا کو بہت غور سے دیکھا ہے اس طرح
سایا بھی اپنے آپ کا وفادار نہیں ہے
ڈرتے تھے لوگ دشمنوں سے پہلے مگر اب
خود اپنے دوستوں کو بھی اعتبار نہیں ہے
آیا تھا پھول لے کے جو کل گھر میرا بھائی
باتوں کا جادوگر کوئی رشتہ دار نہیں ہے
کوڑے برستے رہتے ہیں انصاف پہ یہاں
بازار میں رہتا کوئی نیکو کار نہیں ہے
جانے یہ شہر چھوڑ کے جائے کہاں آیازؔ
اُس کا تو اس جہاں میں کوئی یار نہیں ہے



نکلا ہے تو پایاب کرنے بحر بیکراں
رہ کر زمین پر کرے تسخیرِ آسماں
مانا کہ ممکن نہیں کچھ بھی یہاں مگر
تیرے ساتھ دیکھ کیسا ہے میرِ کارواں
تیرے قافلے کے لوگ شکار زماں ہوئے
نہتے، بھوکے لوگ، سارے بے سرو ساماں
کچھ ایسے تیرے ساتھ وہ کچھ لوگ چلے ہیں
دل میں ہے انکے کچھ الگ اور ہے الگ زبان

جن کے دم پہ نکلا ہے تو جانبِ سفر
دوست نہیں تیرے وہ سب تیرے دشمنِ جاں

سامنے تیرا جو ہے چالباز بڑا ہے
ملنے سے پہلے، اندرون بھی اُس کی تُو پہچاں

ہے بات یہ آیاز کی فقط شعر نہ سمجھو
سنبھل کر تیرا چلنا ہی ہے قوم پہ احسان





اُن کو چین سے سونے دو
ہم کو جی بھر رونے دو
سر پر پتھر مارے جو
انکو بھی خوش ہونے دو
چُھپا چُھپا کے زخموں کو
چپکے چپکے دھونے دو
اِک تصویرِ الم ہوں میں
کھوئی خوشیاں کھونے دو
ظرف یہ اُس کا ورثہ ہے
بیج نفرت کے بونے دو
ایاؔز گُم صُم بیٹھا ہے
جو ہوتا ہے ہونے دو

☆ آسان نہیں ہے اتنا اک دم سب بُھلانا
لمحے ہیں چند خوشی کے ساری عمر رُلانا
کتنے ہی یار دیکھے ہم نے بھی اس جہاں میں
تیری ادا نرالی، انداز جُدا گانا
سرِ عام کرکے رُسوا اس کو بھلا مِلا کیا
خودُ آگ میں ہی جل کر اوروں کو بھی جلانا
ناخوش ہو تم وہاں اور ناخوش ہیں ہم یہاں بھی
لکھا ازلؔ میں یہ کیا تھا ذرا مجھکو بھی بتانا
کس نے کیا ہے اب تک ہم نے بھی نا سُنا ہے
خود اپنی دنیا کو یوں ہاتھوں سے خود مٹانا
اپنوں کو چھوڑ کر پھر غیروں سے مل کر رہنا
بن کے تم یوں تماشا اوروں کو نا دِکھلانا
تم بھی گواہ رہنا، ایاؔز جو کہہ رہا ہے
یہ داستاں نہیں ہے حسرت کا ہے فسانہ ☆



زمانے نے پھیری ہے ہم سے نظر
خطا کیا ہوئی کچھ نہیں ہے خبر
وہ نفرت کی بھی انتہا تک گئے
کیا دور اِتنا وطن سے بدر
سزا کیوں ملی اور کیسے ملی
ملِا عشق کا ہے یہ کیسا ثمر
ہے گزری کہ آوارگی زندگی
نہ راہ ہی ملی مجھ کو نا کوئی در
بساتے رہے ہم ہیں غیروں کے گھر

نہ اپنا ٹھکانہ نہ اپنا ہے گھر
فرشتے نہیں ہم بھی انسان ہیں
بہک جائیں آخر ہیں ہم بھی بشر
ہواؤں کو تم تیز چلنے بھی دو
ہمیں کوئی خطرہ ہے نا کوئی ڈر
جہاں میں ملا نا کوئی آسرا
کہاں کیا پتا کیا ملے گی قبر؟
میرے بعد ستائیں گی یادیں تمہیں
یہ سانسیں کرو گی تم اُن کی نذر
بے بس گزارا ہے جیون ایاؔز
میرے جیتے جی نا ہوئی کچھ قدر





اپنوں میں اجنبی بن کے میں جی رہا ہوں
خونِ جگر میں اپنا برسوں سے پی رہا ہوں

مجروح یہ جسم میرا ٹپکے لہو کہ آنسو
زخموں کے ٹانکے کب سے اپنے میں سی رہا ہوں

آئینہ کس کا اب کے یہ عکس ہے دکھاتا
اپنا لہو میں ہر دن اب کے بس پی رہا ہوں

چہرے بدل بدل کے وہ دور جا رہے ہیں
شاید کبھی میں اُنکا ساتھی ہی رہا ہوں

ہیں شعلے آگ کے پھلجڑیاں میرے لئے
نارِ جہاں میں کب سے جل ہی رہا ہوں

ایازؔ کو تم یوں کم تر نہ سمجھنا بس
شکوہ نہیں ہے کچھ بھی ہنس کے ہی جی رہا ہوں



کون کہتا ہے پیار بکتا نہیں
کون کہتا ہے پیار جُھکتا نہیں
یہ تو باتیں ہیں بس سُنانے کی
زور زَر سے کیا کچھ رُکتا نہیں
چاند پہ بھلا کیوں رشک ہم کریں
وہ بھی اپنی روشنی سے چمکتا نہیں
دیکھ عصر حاضر کے بچوں کو اب
کوئی اولاد کی تمنا کر ہی سکتا نہیں
ننگے سر کیا یہ عریاں پوری کائنات
اب کسی سر سے ڈوپٹہ سرکتا نہیں
غیر حالت ہے ایاؔز کی دیکھ لو
وہ تو ہونی کو انہونی کر سکتا نہیں

☆ جام نہیں ان پیالوں میں
ہم ہی شکستہ حالوں میں
اب کے ہم پہ عنائیتیں
نیک لکھا کیا فالوں میں
اُن کے ساتھ ہی گزری ہے
سر کہاں ہم جھکانے والوں میں
تیرا گماں اور تیرا ساتھ
بات ہے خواب و خیالوں میں
موت جو آئے ہنس دینگے
زندہ رہیں گے مثالوں میں
گرج چمک سے ڈرنا کیا
گھٹا چھپی ہے بالوں میں
خبر مجھے اور تجھ کو پتا
ایازؔ گم ہے سوالوں میں ☆



یہ جینا بھی کیا جینا
دن رات آہیں بس بھرنا
مرضی اپنی یا چاہت
سانس بھی کھُل کے نا لینا
جو ہونا ہے ہونے دو
لب نہ ہلیں ، کچھ نا کہنا
دفن کرو یہ سب احساس
سب کچھ ہے چپکے سہنا

خوف و دہشت میں رہ کر
ہر اِک گام پہ بس ڈرنا
جال بنا خود غرضی کا
اب مکڑا بن کے رہنا
کٹھ پتلی بن کے اب تو
صرف اشاروں پر چلنا
ایازؔ کہے تو کس سے کہے
کیا جینا اور کیا مرنا





بات اُس نے جو کل سنائی تھی
ذہن و دل سے وہ کب بھلائی تھی
دور دنیا سے جاکے ہم نے بھی
چھوٹی دنیا اِک بسائی تھی
کس نے چسپاں یہ کی دیواروں پہ
ہم نے تصویرِ جاں ہٹائی تھی
پڑ گیا ہے وہی میرے پیچھے
جان جس کی میں نے بچائی تھی

کیسے اُجڑی ہوا کے جھونکے سے
موجِ طوفاں میں دنیا بنائی تھی
بن گیا پھر سے آج دشمن کون؟
کب کی دیوار وہ گرائی تھی
سب لٹا کے سمجھ گئے اب وہ
زندگی اُس نے کیسی پائی تھی
پھول لایا ایازؔ مرنے پر
لحد ہم نے تو خود سجائی تھی





اچھی فضا اچھی ہوا اُس پار بھی اِس پار بھی
قدرت کا سب کچھ ہے دیا اُس پار بھی اِس پار بھی

ایک جیسے سارے لوگ ہیں ایک جیسے سب اطوار بھی
خود غرض اور وہ باصفا اُس پار بھی اِس پار بھی

یہ مارا ماری، خون خون، یہ قتل و غارت چار سو
یہ اِک جنوں اور اِک نشہ اُس پار بھی اس پار بھی

واں بھی غریب مظلوم ہے، یاں بھی امیر ظالم بنا
سب کا ہے دل مارِ سیاہ اُس پار بھی اس پار بھی

پارہ ہے چڑھتا جب کبھی، تب ہے برستی آگ بھی
ہے حال اک جیسا ہوا اُس پار بھی اس پار بھی

اُجڑی ہیں ساری بستیاں ویران ہوئی آبادیاں
کھنڈر شہر وہ بن گیا اُس پار بھی اس پار بھی

جب دھول اُڑنے ہے لگی، سب ہوش جیسے اُڑ گئے
ہے جیت میں بھی اِک ریا اُس پار بھی اس پار بھی

یہ کھیل ہے کرسی کا بس دکھتا اور کچھ بھی نہیں
ہے کس کی جانے کیا خطا اُس پار بھی اِس پار بھی

اک جیسے سارے لوگ ہیں، ایک جیسی سب کی زندگی
جھگڑنے کی منطق کیا بھلا اُس پار بھی اس پار بھی

دونوں طرف مکار ہیں دونوں طرف عیار ہیں
اچھا کوئی ، کوئی بُرا اُس پار بھی اس پار بھی

ہے دوست کون، دشمن ہے کون، سمجھے یہ کوئی کس طرح
ایازؔ بھگتے سب سزا ، اُس پار بھی اس پار بھی



☆ کشمکشِ دنیا میں جو گرفتار ہُوا ہے
ابلیس مانو اس پہ سوار ہوا ہے
غیرت گئی، عزت کا نہیں نام ونشاں اب
انسان بنا ہوس کا اب کے شکار ہوا ہے
عروج جسے سمجھتا ہے، ہے اصل میں زوال
تیرے ذہن پر غلبۂ اغیار ہوا ہے
محبوب تیرے مال و زر اولاد ہوگئے
مردار کھا کے تو بہت نامدار ہوا ہے
احساس کھو گیا ہے، آنکھیں ہوئی بے نُور
دل تیرا کب کا داغدار ہوا ہے
بابِ اجابت بند نہیں، نہ دعا ہے بے اثر
اللہ تیرے اعمال سے بیزار ہوا ہے
پھیلا دے ہاتھ جان لے ایاز آج تم
فطرت بدل کے نار بھی گلزار ہوا ہے ☆



علم و فضل کی عظمتیں کیسے کروں بیان
کوئی مثال ہے نہیں موجود در زمان
ہر اِک ادا میں موجزن لطف و کرم رہا
رحمت تری تھی عام اور خواصوں پہ سب عیاں
تیری دعا تھی با اثر، تیرا عمل کمال
ڈھونڈنے نکلا تھا ثانی تیرا خالی ملا جہاں
مانند آفتاب تھے اور میں ذرہ بے قدر
کس کے چھاؤں میں رہوں تھا میرا آسمان
تیری صحبت میں رہ کر، نیم خام ہی میں رہا
طفلِ مکتب ہی رہا ہائے میرے رازداں
یاد آتی آپکی ایاز کو اب روز وشب
شفقت تیری ہو کیا بیان اے دلبرِ جانانِ جاں

☆ دل میں سکون نہیں ہے دعا میں اثر نہیں
وہ درد دے گیا کہ دوا کار گر نہیں
دنیا میں ماسوائے غم کچھ بھی تو نہیں ملا
عرصہ حیات بھی میرا کچھ مختصر نہیں
ذکرِ چمن قفس میں یوں کرنے سے کیا حاصل
شعروں میں ردیف نہیں ، اب بحر نہیں
وہ جلوہ گر ہے یا نظروں کا دھوکہ ہے دوستو
کس کو بتاؤں کیا مجھے خود کی خبر نہیں
راہِ نجات ڈھونڈتا ہوں ہر گناہ کی میں
سجدوں میں ذوق نہیں اور اثر نہیں
میں رات بھر بیدار رہا انتظار میں
تیرے نصیب میں کبھی ہو وہ سحر ، نہیں
خود کو پرکھ لو آج تم ویسے بھی اب ایاز
آنسو تیرے پلک پہ ہیں دامن بھی تر نہیں ☆



جانے کیسے اُسے اعتبار آ گیا
اسکے چہرے پر رنگِ نکھار آ گیا
پُھول پیاسے اور سوکھا تھا سارا چمن
اشک بہنے لگے یاد یار آ گیا
تھی تمازت بہت اور فلک سر نگوں
لے کے خوشبو وہ سایہ چنار آ گیا
رفتہ رفتہ لبوں نے وہ سب کہہ دیا
آج ملنے میرا غم گُسار آ گیا
ایک منظر عجب اور وہ تنہا آیازؔ
بنِ پیئے چشم تر میں خمار آ گیا



آنے کی خبر ہے اب ہر پل
آنکھوں میں لگاتی ہوں کاجل

آہٹ سے ہی پہچانے مجھ کو
میں نے پہن رکھی ہے اب پائل

اب کے لوٹ کے آؤ گھر اپنے
کیوں بھٹکو گے پردیس میں سنبھل

موسم بھی ہے بدلا ، عالم بھی
یخ لختہ برف ، جم جا نہ ، پگھل

ہے رنگِ بہاراں گُلشن میں
اب توڑ قفس طائر تو نکل

اب دیر نہ کر ایاؔز میرے
لہرائے ہے یادوں کا آنچل



سچے لوگ ہوئے خاموش
غیرت والے سب روپوش
قدم قدم پہ نور و ظہور
سارے دانش ور مدہوش
حاصل دنیا دولت مال
شیخ و برہمن ضمیر فروش
ہر سو چرچا رنگوں کا
چہرے سیاہ اور سفید ہے پوش
جن کی طلب ہے تجھے ایاز
جنت مکیں وہ صاحبِ ہوش



مہمان بن کے تم نے یہ احسان کیا ہے
اُس نے بھی ہم کو اپنا ہی اب مان لیا ہے
خوشیاں منا رہے ہیں سب برکت جو آگئی
قدرت نے آج ہمیں جو مان دیا ہے
تحفہ تمہیں میں دیدوں کیا اب کیا ہے میرے پاس
بے نور کی حاضر یہ دل وجان دُعا ہے
کھوئے ہوئے خوابوں کا پتہ مل ہی گیا اب
تم آئے مجھ کو لگے سارا جہان ملا ہے
جلوہ یہ بے حجاب ہے، فریب نظر نہ ہو
ایازؔ تیرا مرنا بھی اب آسان ہوا ہے



ثابت کروں میں کیسے اپنی بے گناہی
منصف وہی ، مجرم وہی اُس کی ہی گواہی
نا سمجھ تھا نکلا تھا جو کرنے کو اُجالا
تاریک اُن رستوں کا بنا تنہا وہ راہی
محتاج تھا نہ وقت کا ، پر آشنا نہ تھا
تھی ازل سے لکھی ہوئی یہ کیسی سیاہی
باہر جو آگیا ہے وہ غفلت کے خواب سے
دونوں جہاں میں ملی اُسے پادشاہی
دیکھے تھے ہم نے بھی وہ حسیں خواب مگر سُن
یہ بے بسی یہ وارفتگی ہم نے نہیں چاہی
حاصل تجھے جہاں میں ہوا کیا بتا ایاز
اپنے ہی گھر میں تو بنا کس کس کا سودائی



چند دنوں کا یہ ڈیرا، کیا گھر، کیسا مکاں
ہر ایک اپنی مستی میں کوئی نہ ترا یہاں
ہر راہ پر تو رہزن ہیں، ہر سو قیامت ہے
کوئی تیرا خضر نہیں ، نہیں یہ کارواں
غیروں کی یہ بستی ہے، سانسیں سستی سی
تیرا کچھ بھی نہیں ہے یہاں، نہ زمیں نہ آسماں
تیرے پاس تو کچھ بھی نہیں، نہ مختاری نہ آزادی
بدلنے تقدیر نکلا ہے، یہ بس ہے تیرا گماں
طبیب بن کے جو آیا بنا وہی مریض
مرض تو لاعلاج ہے کوئی نہیں لقماں
اِس دُنیائے بے رنگ میں کیا کام ترا ایاز
تو طائر ہے صحرا میں، چمن چمن ویراں

☆ حاصل سکونِ دل جسے ہوا ہے باوقار
ہر موسم اسکے لئے جیسے موسمِ بہار
بحرِ عشق صادق میں ڈوبا ہوا ہے جو
حاصل ہوتا اُسی کو ہے جہاں میں شرف دیدار
دو دن کا یہ میلہ ہے، دو دن کی ہے یاری
جو سمجھا اِن باتوں کو، وہی ہوا بیزار
ذاتِ وحدت کے سوا ڈرتے نہیں ہیں جو
لاکھ طوفانوں میں اُن کا ہوتا بیڑا پار
جن کے اشارے پر قایم ہے سارا اپنا نظام
اُسکے اندروں جھانکنے والا ہوتا ہے راز دار
مال و زر اور دھن دولت سب ہیچ ہے حاصل کیا
مفلس بھی باعزت ہو تو ہوتا تاجدار
اپنی کتابِ عمل پہ کیسا اِترانا ایاز
وہاں تو میزان کا ہوگا اور ہی کچھ معیار 



رشکِ اِرم تھا جنّت نما یہ گھر بھی تھا
خوش آمدید کرتا میرا وہ بحر و بر بھی تھا
ہر سُو بکھر رہی تھی ہواؤں میں مسرتیں
کیا خوب وہ سماں تھا بہت معطر بھی تھا
محروم تماشا نہ تھا وہ شوقِ تماشا
قدموں میں تیرے پُر جنوں میرا سر بھی تھا
اِک گردشِ الجھن میں بہت قید ہے اب کے
تب کتنا پُر سکون تھا، آزاد بشر بھی تھا

کیسا عروجِ خاک ہے کوئی خندہ رو نہیں
سادہ سا گاؤں تھا میرا، پُر رشک شہر بھی تھا

اس دور میں ہر قلب پریشان سا لگے ہے
بندہ کبھی طوفان سے یہی خوگر بھی تھا

چاند تاروں پہ جانے کا کیوں شوق ہے
یاد کر چاند پہلے مسخر بھی تھا

آج محفل کے قابل نہیں ہے ایازؔ
کل تک تیری نگاہ میں بڑا معتبر بھی تھا



☆ دنیا بدلی، لوگ بھی بدلے، بدلے میرے یار
جو نا بدلا، میں نا بدلا، نا بدلا یہ پیار
چار گھڑی کا ڈیرا سارا، سب کو ہے معلوم
کس کے کام ہیں محل یہ سارے، دنیا پائیدار
جو کچھ تیرے پاس ہے یارو، اُس میں رہے سکون
غم اور فکر کے اندیشے ہیں ویسے بے شمار
اوروں کی تم بات نہ کرنا، اپنے کو ہی دیکھ
پکڑو لمحہ لمحہ، جانو لمحہ ہے درکار
سر بہ سجدہ ہوا ہے لیکن من میں ہے شیطان
ہر اِک دل کی حالت ایسی، ہر اِک عمل بیکار
چھوٹی سی اک دنیا بندے اور اتنے ارمان
ایسا کام ہی کر کے جانا پڑے نہ جس پہ مار
باتیں بہت کرتے ہو مورکھ، اپنا گریبان جھانک
ایاؔز تیری کیا وقعت ہے دیکھ لے حالت زار ☆

☆ جو رنگِ دنیا بدلتے ہیں
وہ لوگ عقبیٰ بدلتے ہیں
جب عقل گُم ہو جاتی ہے
لفظوں کے معنیٰ بدلتے ہیں
جب اُلفت کا دعویٰ عشق ہو
وہ حُسن کا منشا بدلتے ہیں
مجبور و پابند جو نہ ہوگا
وہی گھر اپنا بدلتے ہیں
ہو حاصل ایمان کی قوت
جنگل کیا صحرا بدلتے ہیں
سر جھکتے نہیں ہر در پر
وہ رُخِ ہوا بدلتے ہیں
نا ممکن نہیں کچھ بھی ایازؔ
یہ شام وصبا بدلتے ہیں ☆

☆ دبا یا جتنا ابھرتا رہا
وہ تاریکیوں میں چمکتا رہا
ہواؤں کا خطرہ نا ڈر موج کا
وہ طوفاں کی پروا نہ کرتا رہا
یہ اپنے ، پرائے تو سب ایک ہیں
وہ بارش کی مانند برستا رہا
سُنی داستانیں بہت ہیں مگر
وہ اِک سچ کی خاطر ترستا رہا
بہت خوش تھا وہ جیت کر آگیا
ہرا کر تمہیں جشن کرتا رہا
بُجھانے کی کوشش ہواؤں نے کی
چراغ محبت تو جلتا رہا
وہ چرچا جو رسوائی کا تھا ایازؔ
شرافت کا دم کیوں ہے بھرتا رہا ☆



اک نئی سی حیات ملِ جائے
مختصر اِک ملاقات ملِ جائے

اپنے دامن میں اُلفتیں بھر لوں
تیرے در سے خیرات ملِ جائے

عرش سے رحمتیں تو نازل ہوں
کاش ایسی برات مِل جائے

کیوں نہ تکمیلِ آرزو کرلیں
شرط ہے بس وہ رات ملِ جائے

تیرے در سے ہے کیا نہیں ملتا
چاہیں ، ارض وسماوات ملِ جائے

ہیں مصائب میں یوں گِرا ایاؔز
قیدِ غم سے نجات مل جائے



دیدار تیرا مجھ کو در حجاز ملیگا
تسکینِ دل اور سوز و گداز ملیگا
اپنے کو مٹا کر، ضم ہو کے نور میں
تیری ہر ندا سے وہ ساز ملیگا
بُت خانۂ قلب سے ہو تکبیر یوں بلند
پھر زندگی کو اک نیا انداز ملیگا
ہر بات پہ راضی رہیں اور صبر سے لیں کام
ہر شر میں بھی تو خیر کا اِک راز ملیگا
سجدہ میرا یہ سجدہ ہو نماز ہو نماز
پھر غزنوی کی صف میں بھی ایاز ملیگا



مجروح بھی ہو کے زخم وہ دھوتا نہیں کبھی
وہ شخص بیج زہر کے بوتا نہیں کبھی

تاریکیاں بھی جس کے در دل پہ رُک گئیں
وہ شخص جاگتا ہے مگر سوتا نہیں کبھی

ارمان جس کے منزل مقصود پا گئے
تفسیر محبت میں وہ روتا نہیں کبھی

جو بن پیے ہی شہر میں مشہور ہوگیا
مانے گا کون رِند ہے پیتا نہیں کبھی

مانا ایازؔ شہر میں بے گھر رہا ہے تو
شاہیں کا ویسے کوئی ٹھکانہ ہوتا نہیں کبھی



بکھر گئی ہے ساری دنیا پھر بھی کوئی فکر نہیں
کتنے طوفان دیکھ لئے اب، اُنکا کوئی ذکر نہیں
دیوانے ہیں بیگانے ہیں، سب چھوڑ کے آئے ہیں
اپنے شہر سے اور اپنوں سے منہ ہی موڑ کے آئے ہیں
جانا کہاں معلوم نہیں ہے منزل کا بھی پتا نہیں
حاضر ہوجائیں روبرو، اپنی کوئی خطا نہیں
شمع جلے یا پروانہ جلنا، نصیب ہے دونوں کا
کوئی بتائے کون حبیب، کون رقیب ہے دونوں کا
منائے بنائے پھرتا ہے، ایاؔز کو دکھلائیگے
شاعر بنا بیٹھا ہے جو، سچ ہم بھی کہلوائیگے



باپ اک بیٹے سے یوں سہا ہوا
گھر سے باہر اپنے یاروں سے ملا
میری سُن لو آج تم سب ایک بات
میرے بیٹے نے کہی جو کل ہی رات
بوجھ میں اس پہ ہوں اب کے میرے یار
کہدی اُسنے بات یہ بس بار بار
گھر کے اسکا خرچہ ہے بڑھنے لگا
بیٹا اسکا کالج میں پڑھنے لگا
روز ہوں بیمار میں ہونے لگا
اب کہاں سے روز لائے گا دوا

دن گزر کرنا کھٹن مہنگا ہے سب
مجھ کو اپنی سوچنی ہے اب کہ تب
سُن کے میں نے بس کہا، اے پسر مَن
تجھ پر خرچ کر دیا ہے خوب دھن
تیری چاہت میں سنو کیا کیا ، کیا
آستان پہ منتیں مانگی بجا
بعد مدت بر کرم آیا خدا
جاکے تب تو گھر میں یوں پیدا ہوا
میری اُنگلی تھام کر تو چل پڑا
میری محنت سے ہے تُو اتنا پڑھا
کیا پتہ ورنہ تو ہوتا کیا کہاں
مہکتا ہے جاکے کے تب تیرا جہاں
سن کے یہ بیٹا بھی بولا خشم سے
میں اگر کچھ ہوں تو اپنے حشم سے

عقل تیری گھاس چرنے ہے گئی
کونسی یہ بات تُو نے ہے کہی
ہے نہیں احساں یہ تیرا فرض تھا
غرض تھی خود کی نہ مجھ پہ قرض تھا
تھی نہیں سکت تو کیوں پیدا کیا
کیوں مجھے مانگا، مجھے یہ تو بتا
فکر تُجھ کو ہے فقط اپنی پڑی
میری آگے راہ جیون کی بڑی
زندگی جہنم بنی ہے اب میری
کیوں بھلا مین فکر کر لوں اب تیری
سُن کے یہ باتیں میں بس چُپ رہا
یا الٰہی ہے یہ سب کیا ماجرا
سن کے یہ خاموش تھے وہ یار سب
تھے ایاز کی آنکھ میں آنسو بھی تب



بہت دیر کے بعد جانا ہے تم کو
ابھی تک کبھی نا پہچانا ہے تم کو
آئے ابھی ہو، ذرا ٹھہر کے جاؤ
ابھی بہت کچھ سُنانا ہے تم کو
کہاں اپنی مرضی سے نکلے تھے ہم بھی
کیا کیوں، ہُوا کیوں بتانا ہے تم کو
خلد سے نکلنا، خلد میں ہی جانا
کارِ جہاں اب نبھانا ہے تم کو
وطن چھوڑ کر پردیس میں اب

کیسے جہاں اک بسانا ہے تم کو
شہرِ وفا میں وفا اب نہیں ہے
زخم کھا کے مسکرانا ہے تم کو
چہرے سے اپنے پردہ ہٹا کر
نیا اِک چہرہ دکھانا ہے تم کو
یہ شہر جفا ہے، وفا اب کہاں ہے
زخم کھا کے ایاؔز مسکرانا ہے تم کو



☆ غم نہیں ہے کارواں کھونے کا
غم ہے اسکے بچھڑ ہی جانے کا
ہم ہی اکیلے اُداس نہیں ہیں
دکھ اسکو بھی ہے ساتھ نہ ہونے کا
ان قہقہوں میں رکھا کیا ہے
تبسم ہے ادا سب بتانے کا
کوئی اپنا نہیں ہے پردیس میں
نہ موقع نہ دستور ہے سُنانے کا
اپنانے کی خواہش پانے کی چاہ
سُندر سا خواب ہے دیوانے کا
ساتھ اشکوں کے بہہ نہ جائے آرزو
ڈر ہے، خوف ہے، زمانے کا
راہِ سفر طویل ہے، صبر کر ایاز
ابھی وقت نہیں رنگِ عشق دکھانے کا ☆

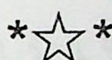
☆ اب مفت میں پینے کے سب اطوار ہوگئے
سب شیخ و برہمن آج بادہ خوار ہوگئے
راحت کی تھی تلاش مگر آبلہ پا میرے
راحت کی فکر میں ہی گرفتار ہوگئے
دیوانہ وار ہم بھی جو گھر سے نکل پڑے
دلبر کی دید میں یوں بیقرار ہوگئے
دیوانہ پن کی لغزشیں ہیں پوچھنا بھی کیا
مرضِ علاج میں ہی خود بیمار ہوگئے
طوفان تھم جو جائے گا تو چل پڑینگے ہم
اپنے وہ ہم سفر جو تھے سب پار ہوگئے
منزل کو پہنچے قافلے روشن وہ بخت تھا
ہم رہ گئے اور گرد کے شکار ہوگئے
جسکی تلاش ہے تمہیں یوں آج کل ایازؔ
اب وہ کہاں ملیں کہ وہ اب سرکار ہوگئے ☆



سامنے اوروں کے غم اپنا چُھپاتے کیوں ہو
خلوتوں میں اپنی آنکھوں کو رُلاتے کیوں ہو
دامن چھڑانے کی بہت آرزو تھی اب
میت پہ میری داغ سبھی دُھلاتے کیوں ہو
تیری چاہت تیرا مزاج وہی
ہو عدو میرے تو بُلاتے کیوں ہو
چمکتے چاند ستارے سبھی تو ہیں لیکن
مجھ پہ تاریک یہ آسماں گراتے کیوں ہو
یہ عنایت بھی اُنکی بہت خوب ہے ایاز
وحشتِ غم کو خاطر میں ہی لاتے کیوں ہو



کہاں میں آسمان سے توڑ کر تارے ہی لے لاتا
کہاں میں چھوڑ کر تم کو نئی دنیا میں جا پاتا
بھروسہ کیا زمانے کا، دکھاتا رنگ کیا کیا ہے
وگرنا اس جہاں میں ، میں تمہیں ایسے نہ کھو دیتا
محبت کہاں محتاج ہوتی ہے ثبوتوں کی
جو سینہ چاک ہو جاتا تو میں دل اپنا دِکھا دیتا
تجھے چاہا مگر پھر بھی نہیں اظہار کر پایا
وگرنہ کیسے یوں مقروضِ ہنگامہ میں ہو جاتا
تمہاری دوستی یا دشمنی دونوں بہت اچھی
ہُنر مجھکو جو آجاتا تو رشتہ ہی نبھا پاتا
خوشی مانگی ایاز نے تھی تیری خاطر سمجھ لینا
کہاں ممکن تھا ویسے بھی تجھے اِک پل رُلا دینا



پُرانا رقیب کل سرِ شام آگیا تھا
لئے ساتھ کوئی پیام آگیا تھا
ہوا ہوں میں رسوا مگر مجھ کو کیا غم
تیرے ساتھ میرا جو نام آگیا تھا
میں بازار میں خود کو چلا بیچنے تھا
مجھے کیا خبر کیا وہ دام آگیا تھا
مقدر کے اپنے بھی صد عیب یارو
قبل میرے آغاز کے انجام آگیا تھا
تھا برسوں سے آوارہ دل میرا لیکن

کہ اسکو بھی اب کچھ آرام آگیا تھا

اپنوں نے ہر دم ستم کتنے لائے
خوشی لے کوئی وہ گُمنام آگیا تھا

چمن میں تو اب پھول کھلنے لگے ہیں
شُکر کچھ لہو اب کے کام آگیا تھا

پُرانے ہیں فسانے عنوان نئے ہیں
میرے حصّے کا اِک وہ جام آگیا تھا

ہے آوارہ شام سحر دیکھ ایازؔ
کہاں اُس کی قسمت میں قیام آگیا تھا





ہم نے گھر کو سجایا ہے
وہ اب تک نا آیا ہے
جام ، ساقی ، عشاق سبھی
کس نے کس کو پلایا ہے
مدت سے ہیں ہم بھی کھڑے
پر اُسنے نا بُلایا ہے
دل پر ہماری کیا گزری
کچھ نہ زباں پہ لایا ہے
جان کے دنیا ہے فانی
خود گھر کس نے جلایا ہے
شام ہوئی اور سائے چھپے
اُس نے ایاؔز کو بُھلایا ہے



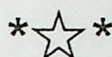
زندگی روتی رہی ہر صبح اور ہر شام بس
موت رقصاں ہوتی رہی ہر صبح اور ہر شام بس

اب کوئی ماں خوش نہیں بیٹے کی پیدائش پہ دیکھ
بیٹے یوں کھوتی رہی ہر صبح اور ہر شام بس

اس جہاں میں اب کہاں محفوظ ہے بنت حوا
عصمت سے ہاتھ دھوتی رہی ہر صبح اور ہر شام بس

مسرتیں اب راستہ بھولیں ہیں اپنے شہر کا
موت بیج بوتی رہی ہر صبح اور ہر شام بس

بے مروت موت پہ ہیں یہ لاشیں دیکھ لو
آیاز کی جلتی جوتی رہی ہر صبح اور ہر شام بس



زندگی کٹ گئی پرچھائی میں
بہت سیکھا ہے بے وفائی میں
لوگ گم بھیڑ میں ہی ہوتے ہیں
کھو گئے ہم یہاں تنہائی میں
دشمنی دوست بن کے نبھائی ہے
یہی اچھائی تھی بُرائی میں
شوق سے حالِ دل سناتے ہم
تھی نہ اُمید کچھ شنوائی میں
کیسے بتلائیں کیا ہوا یارو
عشق گزرا میرا تباہی میں
دور اس شہر سے نکل ایازؔ
اِک سزا قید کی رہائی میں



لب اگر خاموش سہی فریاد تو ہے
نام نہیں جو لب پہ دل میں یاد تو ہے
ہاتھوں میں ہیں زنجیریں نہ پاؤں بند
اپنی کوئی سانس مگر آزاد تو ہے
قدرت کا ہے سارا کرشمہ اور ہے کیا
آوارہ ہے دل لیکن آباد تو ہے
ہے یہ زمانے کا مارا در راہ گزر
بالشت بھر بھی زمیں نہیں پر شاد تو ہے
ایازؔ تجھ پہ رحمت قدرت کی ہے سدا
دردِ سکوں ہے دل گر کچھ ناشاد تو ہے



جس کو جو انداز مِلا
ویسا اُسے اعزاز مِلا
نغمہ جیسا ویسا سُر
ایسا ہی پھر ساز مِلا
جتنے زیادہ غم اور دُکھ
اتنا سوز و گداز مِلا
جو بھی اُڑا ہے اُونچی اُڑان
اُسی کو رستے باز ملا
کیوں سب ایسا ہوتا ہے
کار ملا، کارساز مِلا
اس سے بڑھ کر کیا ہو انعام
نام بڑا آیاز مِلا

☆ تیری نظر میں خوب مرا آشیان ہے
آؤ سناؤں اسکی جو اِک داستان ہے
ہے یہ قفس جسے تو سمجھتا ہے نشیمن
دست صیاد سے بنا روشن زندان ہے
ہیں بال و پر کٹے مرے اور ہوں لب بہ لب
باہر جو رنگ گُل ہے پر اندر خزان ہے
کیسے بیاں کروں کہ لفظ گونگے سبھی میرے
ہے جسم لرزہ لرزہ کہ گونگی زبان ہے
میں روبرو کبھی جو ہوا آئینے کے تب
اکثر میں سوچتا ہوں کہ یہ کس کی پہچان ہے
ہے پاس میرے کیا کہ جو تُجھ کو میں دے سکوں
اِک بحر بیکراں میں دل ایسا حیران ہے
نا مجھ پر کر گماں کوئی ہے داغ داغ دل
تا عمر اس ایاؔز پر، یہ بھی احسان ہے ☆



دعویٰ سارے جھوٹے ہیں، جھوٹے دم ہی بھرتے سب
درسِ حیات پڑھا کر ہمیں موت سے خود ہی ڈرتے سب
ہے کس کام کا علم ترا، اے واعظ بے عمل
پیسے کی جھنکار سُنیں فتویٰ دے ہی دیتے سب
تیرے چہرے ہیں بسیار ، تیری عمل بھی ایسی ہے
ہر در پر سر جھکتا ہے، وحدت کی باتیں کرتے سب
قصے اجدادوں کے سب اپنی عظمت جتاتے ہو
سچ تو یہ ہے پل دو پل اندر اندر مرتے سب
ایازؔ آگاہ نہیں ہے سُن، راز و رموز کی باتوں سے
ہم تو اُن میں سے ہی نہیں جو بس دم ہیں بھرتے سب



جو سُنانا ہے تمہیں آؤ سنادے آج
اپنے چہرے سے یہ حجاب ہٹادے آج
آج موقع ملا ہے، کل کی کیا ہے خبر
اب تک تم نے کیئے، نبھادے وعدے آج
آؤ مل جل کر ذرا، یوں کھو جائیں آج
ہیں میرے بھی کیا خوب ارادے آج
خواب دونوں حسین، اک ذرا دیکھ لیں
چلو آنکھوں پر پردہ تو گرادے آج
چاہتا ہے ایازؔ، کچھ کہہ بھی تو دو
جو بتانا ہے مجھکو کھل کے بتادے آج



نہ ہی دشمنی کسی سے نہ ہے اب کوئی عداوت
نہ کسی سے کوئی شکوہ نہ کسی سے ہے بغاوت
نہ کہیں پھیلائیں دامن، نہ کہیں سنائیں دکھڑا
نہ وہ لوگ ہیں اب یہاں ہیں نہ کہیں ہے اب سخاوت
نہ ہے اب کہیں محبت، نہ ہے دل کی اب لطافت
نہ کہیں ہے اب وہ اُخوت، نہ ہے اب کوئی عنایت
بے ذوق اب کے سجدے سارے خطا ہوئے
نہ کہیں ہے اب ریاضت ، نہ کہیں اب عبادت
ماضی کو یاد کرکے کیا ملے آیازؔ تم کو
نہ کہیں ہے اب مُروت، نہ ہے اب کہیں وہ شفقت



سر پر اُداسی ہے مرے سائبان کی طرح
آئی خوشی ہے گھر کبھی مہمان کی طرح

باتوں میں اُس کے یوں تو بہت ہی مٹھاس تھی
لیکن وہ پیار کرتا تھا احسان کی طرح

صیاد بن کے وہ مجھے رکھتا ہے زیرِ شک
دِکھنے میں پر وہ لگتا تھا دربان کی طرح

بادل یہ کم نصیبی کے چھائے ہیں ہر طرف
اب کے شہر بھی لگے زندان کی طرح

دن رات مرنے کی فقط دیتا رہا دُعا
ماتم پہ آگیا اب مہربان کی طرح

تو اس جہاں کی بزم میں شامل نہیں ایازؔ
دِکھتا نہیں ہے اب کوئی انسان کی طرح



تحفہ دیا تقدیر نے
رنگ دکھایا تصویر نے
بیکار ساری کاوشیں
ہار مانی تقدیر نے
خواب تو دیکھے سارے حسیں
دھوکہ دیا تعبیر نے
لب پہ شکوے آئے تھے
روک لیا زنجیر نے
قدم قدم وہ ساتھ ہی تھے
جُدا کیا لکیر نے
جادوگر آیاز نہیں
جلوہ دکھایا تاثیر نے



گر نہیں جستجو
پھر ہے کیوں آرزو
کیسا یہ انداز ہے
اور کیا ہے گفتگو
خود کو بس پہچان لوں
تم ہی آنا روبرو
کس کی ہے یہ آہٹیں
یاد کس کی کو بہ کو
زخم گہرے ہی سہی
خون سے بھر لے سبو
کیوں اُداس ایاؔز ہے
یہ نہیں اُس کی ہے خُو



تعارف میں تو اپنا دے رہا ہوں
بنا تعبیر سپنا دے رہا ہوں
نہیں محتاج میں اوروں کا لیکن
جہاں کو میں کیسی ادا دے رہا ہوں
کوئی شام تنہا نہ ہو زندگی میں
میں ہر اِک کو ایسی دعا دے رہا ہوں
کہیں بھول جاؤ نہ رستہ کبھی تم
میں تم کو یہ اپنا پتا دے رہا ہوں
وہ جس نے ہمیں غیر سمجھا ہمیشہ
اُسی در پہ اب اِک صدا دے رہا ہوں
تیرے نام کرکے یہ دل اپنا ایاؔز
میں تجھے میں رنگِ حنا دے رہا ہوں

خوابوں میں کیوں آتے ہو
تڑپاتے ، ترساتے ہو
چپکے آنسو بہا کر تم
ہم کو بھی کیوں رُلاتے ہو



چاہا جس کو تھا دل سے
ملا صنم تھا مشکل سے
کہاں گیا وہ کدھر گیا
دور ہوا منزل سے



یوں کب ہم نے سوچا تھا
ایسے جُدا بھی ہونا تھا
معلوم نہیں تھا انجام کبھی
پھر کیسے کیوں مِلانا تھا

کس کی لگی ہے بد نظر
دنیا سے تھے ہم بے خبر
جل کر ہوا ہے راکھ سب
بے گھر ہوئے ہم در بدر



یہ طوفاں اِک بہانہ تھا
میرا ظالم زمانہ تھا
ہوا نابود لمحوں میں
وہ سُندر آشیانہ تھا



یہ جینا بھی کیا جینا
زہر ہلاہل ہے پینا
چلتی پھرتی لاش ایازؔ
تقدیر نے سب کچھ چھینا



رات دن وعظ کیا پڑھاتے ہیں وہ
خود تو ہنستے ہیں ہم کو رُلاتے ہیں وہ
درس خوف خدا کا وہ دیتے ہیں خوب
خود تو ڈرتے نہیں ، بس ڈراتے ہیں وہ
فرض چھوٹا، کوئی غم نہیں ہے اُنہیں
رسم جیسی عبادت کراتے ہیں وہ
غرض مندی کے سارے یہ رشتے نئے
خالی باتوں سے دل کو بہلاتے ہیں وہ
نام رُب کا وہ لیں، کام ابلیس کا
جنگ دولت کی خاطر کراتے ہیں وہ
کر لے کس بات پر اب یقیں یہ ایازؔ
جھوٹ کو بھی بہت اب سراہتے ہیں وہ



رَت جگے میں پیاسے ہی خواب رہ گئے
یوں مقدر میں اپنے عذاب رہ گئے

اب کے بدلی فضا اب کے بدلا نظام
انکے چہرے پر کیسے نقاب رہ گئے

صرف بے ذوق سجدے وہ کرتے رہے
یوں وہ حیراں سارے ثواب رہ گے

اب کہاں وہ عدل، اب کہاں صدق دِل
اب گواہی کو دینے کذاب رہ گئے

سارے راجے گئے، راجواڑے گئے
نام لے کے وہ نقلی نواب رہ گئے

زندگی کو ابھی تک نہ سمجھا آیاز
اب کتابوں میں کتنے ہی باب رہ گئے



اوروں کو دکھلانے نکلا جو رستہ
بھول گیا اپنے ہی گھر کا وہ رستہ
فطرت سے آزاد قفس کے اندر ہے
کیسے نکلیں باہر ہواؤ دو رستہ
ابھی تو دل دھڑکے ہے زندہ ہیں سانسیں
شامِ غم نکلنے کا بھی ہو رستہ
محبت تیری پختہ نہیں یہ خام ہی ہے
اہلِ جنون وجوش کا اپنا لو رستہ
ہیں انجان یہ راہیں اور بھٹکے ہے ایازؔ
شہر پرایا ہے یہ سارا دکھا دو رستہ



کس کی اور میں بڑھ رہا ہوں
کس کس سے میں جھگڑ رہا ہوں
شجر میں اِک ہوں بے ثمر سا
اپنی زمیں سے اجڑ رہا ہوں
دیکھوں کیسے جہاں کی حالت
وحشت وحشت سکڑ رہا ہوں
دنیا سمجھے ہٹ دھرمی ہے
سچی بات پر اکڑ رہا ہوں
بے کس ہوں اور ہاتھ ہیں خالی
سانسیں لمحے پکڑ رہا ہوں
شام ، صبح . کیا فرق آیاز
نیا سبق ہی پڑھ رہا ہوں

☆ جو گُلشن میں تتلی ہے آنے لگی
خزاں کی فکر تب ستانے لگی
میرے خواب جوں جواں ہو گئے
اجل ایک احساس دلانے لگی
کیا جاگنے کا ارادہ کبھی
تو قسمت مجھے پھر سُلانے لگی
ملا حوصلہ جو ہے جینے کا اب
زہر زندگی پھر پلانے لگی
ہمارا یہ دل جب بھی رونے لگا
تری آنکھ کیوں مسکرانے لگی
جو آنے لگا اُس پہ اِک اعتبار
نیا ایک چہرہ دکھانے لگی
ہنسا کب تھا ایازؔ ؟ کب یاد ہے
یہ دنیا ہمیں کیوں جلانے لگی ☆



یہ ویراں سا کیوں گُلستاں ہے
بہار اور خزاں جیسے حیران ہے
تماشائے بنتِ حوا دیکھ کر
نہ شاعر ، نہ کوئی غزل خوان ہے
میں اعترافِ لغزش کروں کس طرح
وہ جنّت کا واقع تو عیان ہے
وہ لمحوں کی مسرت، وہ دردِ جگر
سکوت سمندر میں طوفان ہے
بہت اونچا اُڑنا تو مشکل نہیں
بتا اُس پہ ٹکنا بھی آسان ہے ؟
شریک مقدر ہے سازِش ایازؔ
یہ جینے کا کیوں ہم کو ارمان نہیں

☆ ہاتھ ملانا معمول نہیں
ملے ، چھُڑانا اصول نہیں
گلشن ہم نے سجایا خوب
خار مقدر ، پھُول نہیں
چاہت مسرت کی سب کو
ہنسی کسی کو قبول نہیں
دور سہی اپنی منزل
رستہ روکے دھول نہیں
یہ کس کا ہے استقبال
کہیں یہ میری بھول نہیں
احسانوں کا قرض بجا
ادا ہوا جو وصول نہیں
سب سے بچھڑا ہے ایاز
شکوہ یہ معقول نہیں ☆



ہم تو سمجھے اِک مجسم وہ بیوفائی کا
ہم کو پتہ کب تھا اُس کی اچھائی کا
ڈستی ہوگی ناگن بن کر چپکے سے
کیسے گذارے لمحہ وہ تنہائی کا
رشک کریں پرواز پہ میرے سب اپنے
اُسے بھی افسوس ہوا ہے جدائی کا
اسمِ اعظم کا ورد کرو ایازؔ بہت
اور نہیں رستہ ہے کوئی رہائی کا



عشق چھپائے کب چھپتا ہے یہ تو ایسا کام نہیں
گلی گلی میں اُسکے چرچے وہ تو اب گمنام نہیں
کیسے ہوا وہ کہاں ہوا وہ اب تو کچھ بھی یاد نہیں
وقت کا اپنا محور گھومے اسمیں صبح وشام نہیں
ہاتھوں میں تلوار نہیں ہو، نا ہی خنجر سانسوں میں
لہو لہو یہ عالم سارا، اس میں کوئی آرام نہیں
کل کے یہ دیوانے سارے آج وہی بیگانے ہیں
لمحہ لمحہ رستہ بدلے عاشق ایسا خام نہیں
چلنا، گرنا، گر کے سنبھلنا ، ایازؔ کی یہ عادت ہے
مانا جیتا کبھی نہیں وہ، پھر بھی وہ ناکام نہیں

☆ بے اثر ہونے لگی ہر آہ اب
ہوگیا وہ اتنا لاپرواہ اب
کب تلک اُس کو سنائیں حالِ دل
اُس کو سننے کی کہاں ہے چاہ اب
وہ دیارِ غیر میں اپنے جو تھے
اُن کا سایا بھی نہیں ہمراہ اب
ہو چکی بے نور اب آنکھیں تمام
کس کے نظروں میں رہی نگاہ اب
گھر بسانے کی تمنا اِک نئی
بنتے بنتے پھر رہے تنہا اب
غیروں کا شکوہ کریں اب کیا بھلا
مانگتا ہوں اپنوں سے پناہ اب
دکھوں کا ورثہ مِلا ہے ایاؔز کو
کتنے سرزد ہوگئے گناہ اب ☆



سانس لگتی ہے نیلام ہونے لگی
اب سویرے سے ہی شام ہونے لگی
اب کسی کو کسی کی ضرورت نہیں
اب کے تنہائی جیسے عام ہونے لگی
اُن کی یادوں میں شمعیں جلاتے رہے
رات یوں اُن کے ہی نام ہونے لگی
ایک خالی یہ شام، ہر شام ہے
زندگانی بھی اب تمام ہونے لگی
میں تو کھویا ہوں اُن کی ہی یادوں میں بس
یوں خموشی بھی بدنام ہونے لگی
تجھ کو سمجھا نہ سمجھے گا کوئی آیاز
ہر ادا باعثِ دوام ہونے لگی



مصنف کی دیگر مطبوعات:

☆ دردِ پنہاں:	اردو افسانوی مجموعہ	۲۰۰۵ء
☆ اسلامک بینکنگ:	انگریزی مقالہ	۲۰۰۹ء
☆ تلاشِ سحر	اردو شاعری مجموعہ	۲۰۱۰ء
☆ پگڈنڈی کا مسافر	اردو افسانوی مجموعہ	۲۰۱۱ء
☆ شب تنہائی	اردو شاعری مجموعہ	۲۰۱۱ء
☆ پوت ژھاے	کشمیری شاعری مجموعہ	۲۰۱۳ء
☆ تم یاد کروگے	اردو شاعری مجموعہ	۲۰۱۳ء



زیر طباعت:

☆ خرافات: اردو نثر

• پیر کی گلی کے اُس پار انگریزی نثر

SHAAM HONAY LAGI

Dr. Mohammed. Shafi Ayaz



Almukhtar Publications
ap
Islamabad Kashmir